

# حیات مبارکه

— (از افادات) —

حضرت سید العلماء مولانا السید علی نقی لنقوی

— (دام ظلہ) —

(مطبوعہ سہ فرار قومی پریس نادان محل رٹو لکھنؤ)



# امامیہ شَنِ کے خدِ ما کا نمبَر (۸۰)



”جبر و اختیار“ اسلام کا ایک مہتمم بالشان مسئلہ ہے  
اس میں شکوک و شبہات کا تداطم خیر سمندر بہت سے لوگوں  
کے عقل و فہم کو ڈبو چکا ہے۔ عرصہ سے ضرورت محسوس ہو رہی  
تھی کہ اس موضوع پر ایک رسالہ شایع کر دیا جائے۔ بعض حضرات  
کی فرمائشیں بھی آئی تھیں۔

یہ رسالہ اسی موضوع پر حضرت سید العلماء ردام ظلہ کے  
ایک موعظہ کا اقتباس ہے۔

امید ہے کہ ارباب فہم اس رسالہ کو غور و خوض کے ساتھ  
ملاحظہ فرمائیں گے اور اس سے صحیح فائدہ اٹھائیں گے۔ و سلام

خادم قوم

سید مصطفیٰ احسن رضوی آمریری سکریٹری

امامیہ شَنِ لکھنؤ

شعبان ۱۳۶۰ھ





## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

— ❦ —

وہو کا کھایا ہے لوگوں نے اور کہہ دیا ہے کہ بندے اپنے اچھے بُرے تمام افعال میں مجبور ہیں اور کوئی کام اُن کے ذاتی اختیار سے نہیں ہوتا بلکہ اُس کی ذمہ داری خدا کی طرف عائد ہے۔

دلیل یہ ہے کہ انسان جو کام بھی کرتا ہے اُس کا علم خداوند عالم کو ازل سے ہے۔ اور خدا کو علم ہو چکنے کے بعد اُس کے خلاف ممکن نہیں لہذا انسان اپنے افعال میں خود مختار نہیں مثلاً زید کہ جس نے جمعہ کے دن شراب پی تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا کو اس کا علم تھا یا نہیں؟ جواب یقیناً اثبات میں ملے گا، اچھا علم ہو چکنے کے بعد ہو سکتا ہے کہ زید شراب نہ پیے؟ ہرگز نہیں۔ ورنہ علم باری کا غلط ہونا لازم آئے گا تو معلوم ہوتا ہے کہ زید کے لئے ناممکن تھا کہ وہ شراب نہ پئے بلکہ شراب پینا اُس کے لئے ضروری تھا اور یہی معنی جبر کے ہیں۔

یہ دلیل ہے جس پر عقیدہ جبر کی بنیاد قرار پائی ہے اور ظاہری نظر میں بہت مضبوط ہے لیکن جب غائر نظر ڈالی جاتی ہے تو اس میں کوئی وزن باقی نہیں رہتا۔



ضرورت ہے اس بات کے دیکھنے کی کہ علم اور معلوم میں تعلق کی نوعیت کیا ہوتی ہے؟ کیا علم سبب ہوتا ہے وجود معلوم کا یا وجود معلوم باعث ہوتا ہے تحقق علم کا۔ اگر علم وجود معلوم کا سبب ہے یعنی چونکہ خدا کو علم تھا اس بات کا کہ شراب پیئے گا اس لیے اُس نے شراب پی تو یہ یقیناً جبر ہے لیکن اگر معلوم باعث ہوتا ہے علم کا یعنی چونکہ زید شراب پیئے والا تھا اس لیے خدا کو علم ہوا تو اس میں جبر کا پتہ بھی نہیں ہے۔ صورت واقعہ یوں ہی ہے یعنی ہمیشہ تحقق معلوم باعث ہوتا ہے علم کا نہ یہ کہ علم معلوم کے وجود کا سبب ہے۔

مثال کے طور پر دیکھنا چاہیے کہ رمال جفّار منعم وغیرہ زائچہ کھینچتا ہے اور اس سے انکشاف ہوتا ہے کہ زید فلاں تاریخ یہ کام کریگا اب اگر وہ شخص فن نجوم میں ناقص ہے اور اُس کا علم نامکمل ہے اور اس لیے اُس کا انکشاف مطابق واقع نہ ہوا تو اس سے تو کوئی بحث نہیں لیکن اگر اُس کا علم مکمل ہے تو وہ ضرور ہی مطابق واقع ہوگا۔ اور وہ شخص تاریخ معین پر اُس کام کو انجام دے گا تو کیا رمال کے علم نے اُس شخص کو مجبور کر دیا یا چونکہ وہ شخص باختیار خود اس کام کو کرنے والا تھا اس لیے رمال کو علم ہوا، یقیناً ایسا ہی ہے، اگر رمال زائچہ نہ کھینچتا اور اُس کو علم نہ ہوتا تو بھی یہ شخص اس کام کو کرتا، یہ



اتفاق کی بات ہے کہ اُس نے زانچہ کھینچا اور اُس کو علم بھی اس پہنے  
 والے واقعہ کا ہو گیا۔ اس سے زیادہ واضح مثال جس کا ہر شخص اندازہ  
 کر سکتا ہے یہ ہے کہ ایک شخص کوئی کام کر رہا ہو اور آپ اُس کو  
 دیکھ رہے ہیں، میں پوچھتا ہوں کہ کیا اس وقت ممکن ہے کہ وہ شخص  
 اس کام کو نہ کر رہا ہو؟ آپ فرمائیں گے ہرگز نہیں ممکن اس لیے کہ میں  
 خود دیکھ رہا ہوں، پھر کیا آپ کے دیکھنے نے اُس کو اُس فعل پر مجبور کر دیا  
 نہیں ایسا بھی نہیں بلکہ وہ باختیار خود اُس کام کو کر رہا تھا مگر چونکہ اتفاق  
 سے آپ کے سامنے تھا اس لیے آپ دیکھ بھی رہے ہیں۔

بس یہی نوعیت سمجھنا چاہیے علم باری تعالیٰ کی، فرق اتنا ہے کہ ہمارا  
 ادراک ناقص ہے۔ لہذا ہم اسی چیز کو دیکھ سکتے ہیں جو ہمارے سامنے  
 ہو لیکن جب پردہ پڑا ہو، دیوار سامنے ہو، حد سے زیادہ بعد پایا جاتا ہو  
 تو ہماری نظر کام نہیں کرتی اور ادراک ہمارا ساتھ چھوڑ دیتا ہے لیکن خدا تعالیٰ  
 کا علم ان موانع و عوائق سے علیحدہ ہے، اُس کے سامنے کوئی پردہ نہیں  
 اور کوئی حجاب حاجب ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

اس کے علاوہ ہم چونکہ زمانہ کے اندر ہیں اور زمانہ سبیل ہی  
 جس کے اجزاء اجتماعی صورت سے وجود نہیں رکھتے بلکہ ہر جزو اُس کا  
 دوسرے جزو کی رفتار کے بعد آتا ہے اور جب تک یہ جزو جا نہیں لیتا



بعد والے جزو کا موقع نہیں ہوتا۔ اس لیے جو حوادث اُس میں ہوتے ہیں وہ بھی گزشتنی و رفتنی ہیں اور مختلف اوقات میں ہونے والے حوادث ایک وقت موجود نہیں اور اس لیے مُشاہدہ اُن ہی حوادث کا ممکن ہوتا ہے جو باعتبار زمانہ اس مُشاہدہ کے مقارن ہیں اور اسی وجہ سے اس وقت آپ کل ہو چکنے والے اور آئندہ ہونے والے واقعات کا مُشاہدہ نہیں کر رہے ہیں لیکن خداوند عالم کہ جو زمان و زمانیات سے بالاتر ہے اور ان پابندیوں سے علیحدہ۔ اُس کے لیے زمانہ کا تفرقہ کوئی تفرقہ نہیں ہے۔

جس طرح ایک وسیع میدان میرے سامنے ہو جس میں مختلف مقامات پر جو ایک دوسرے سے ٹھوڑا ٹھوڑا فاصلہ رکھتے ہوں مختلف اشخاص مختلف کاموں میں مصروف ہوں۔ وہ باعتبار وجود خارجی کے ایک دوسرے سے تفرقہ رکھتے اور جُدا جُدا ہیں لیکن چونکہ نظر میری ان سب کو محیط ہے اس لیے ان تمام مختلف نقاط پر موجود ہونے والے اشیاء کا وہ ایک ساتھ ادراک کرے گی۔ اور باوجود اپنے ذاتی تفاوت و اختلاف مراتب کے مُشاہدہ میں وہ بوقت واحد ایک ساتھ آئیں گے بس اسی صورت پر سمجھ لینا چاہیے کہ یہ ایک طویل سلسلہ حوادث عالم تکوین کا جس کی ابتدا ابتداء خلقت عالم سے اور انتہا انتہائے عمر زمانہ تک



ہے پورا جناب باری کے لیے جو ان زمان و زمانیات سے آگے ہے ازل سے  
پیش نظر ہے۔

اس سلسلہ میں ہونے والے حوادث اگرچہ باعتبار وجود خارجی کے آپس  
میں فاصلہ رکھتے ہیں یعنی ایک آج ہونے والا ہے اور ایک کل اور ایک  
نٹو برس قبل اور ایک ہزار برس بعد لیکن علم باری چونکہ اس تمام سلسلہ  
کو محیط ہے اس لیے یہ تمام حوادث باوجود اپنے تفرقہ اور جدائی کے  
اُس کے علم میں ایک ساتھ ہیں اور وہ ان سب کو برابر سے اپنی نظر قدرت  
سے دیکھ رہا ہے۔ پھر جس طرح کہ کسی شخص کو کام کرتے دیکھنا ہمارا اُس  
کے مجبور بنادینے کا باعث نہیں ہے یعنی ایسا نہیں ہے کہ چونکہ ہم دیکھ رہے  
تھے اس لیے وہ اُس کام کو کر رہا ہے بلکہ چونکہ وہ کر رہا ہے اس لیے  
ہم دیکھ رہے ہیں۔ تو اسی صورت پر خداوند عالم کو اطلاع حاصل ہونا  
زید کے ہاتھوں ہونے والے کام کی اُس کام کے ہونے کا سبب نہیں ہے  
بلکہ اُس کے علم کی بنیاد خود اُس کام کا زید سے صادر ہونا ہے یعنی وہ  
کام کرنے والا تھا اس لیے خدا کو اُس کا علم ہوا۔

بے شک علم ہو چکنے کے بعد ناممکن ہے کہ وہ فعل نہ ہو۔ لیکن یہ  
عدم امکان فرض وقوع کی بنا پر ہے۔ ہر چیز جس کے وقوع کو فرض  
کر لیا جائے اُس کا عدم ممکن ہے کیونکہ اجتماع نقیضین محال ہے



مثلاً میں عرض کروں کہ فرض کیجیے کہ میں آپ کے یہاں حاضری ہو گیا ہوں تو کیا اس فرض کی بناء پر ہو سکتا ہے کہ میں حاضر نہ ہوا ہوں۔ جواب نفی ہی میں ملے گا۔ یعنی اس فرض کی بناء پر ناممکن ہے کہ ایسا نہ ہوا ہو۔ علم وقوع کے بعد اُس کے خلاف ممکن نہ ہونا ہی نوعیت کا ہے اس لیے کہ علم خدا کو اُس کے وقوع کا جب ہی ہوگا کہ جب فعل حقیقتہً اپنے وقت پر واقع ہو اور جب کہ فرض یہ ہے کہ وہ فعل اپنے وقت پر واقع ہوگا تو انبا ممکن ہے کہ واقع نہ ہو ورنہ خلف لازم آئے گا ہاں اگر وہ اپنے وقت پر واقع نہ ہو تو خدا کو علم ہی اُس کے وقوع کا نہ ہوگا بلکہ عدم وقوع کا علم ہوگا۔ لہذا عدم امکان وقوع بعد علم بوقوع فرض وقوع کی بناء پر ہے نہ یہ کہ علم اُس فعل کے وقوع کی علت تامہ ہے اس لیے اُس کے خلاف ناممکن ہو گیا ہے۔

معلوم ہوا کہ علم کی بنیاد پر جبر کے عقیدہ کو ثابت کرنا بالکل بے بنیاد ہے۔ دوسری دلیل جبر کی یہ پیش کی جاتی ہے کہ وہ فعل مثلاً نماز یا روزہ وغیرہ جو کسی انسان سے صادر ہوا تو پوچھا جاتا ہے کہ خدا اُس کو چاہتا ہے یا نہ؟ جواب یقیناً اثبات میں ہوگا کہ بیشک خدا چاہتا ہے، اچھا جس بات کو خدا چاہتا ہے اُس کے خلاف ہو سکتا ہے؟ جواب نفی ہی میں ملے گا کہ ہرگز نہیں ہو سکتا، نتیجہ ظاہر ہے کہ پھر انسان اپنے فعل میں مجبور ہے یعنی جو کچھ وہ کرتا ہے اُس کے خلاف اُس سے ناممکن ہے۔

جواب اس کا یہ ہے کہ اکثر کسی لفظ کے دو معنی میں خلط یا کسی مفہوم کی دو مختلف قسموں کے درمیان تفرق نہ کرنے کے سبب انسان دھوکے میں مبتلا ہو جاتا ہے مثلاً ایک



گھوڑے کی تصویر ہے جو دیوار پر پنی ہوئی ہو اور ایک گھوڑا وہ ہے جو بیچ زمین پر چلنے پھرنے والا ہے، ان دونوں کے اختلاف سے قطع نظر کرتے ہوئے دو شخصوں میں اختلاف ہو رہا ہے ایک کہتا ہے کہ گھوڑے پر سوار ہونا ناممکن ہے مقصود وہ گھوڑا ہے جو دیوار پر نہا ہے دوسرا کہتا ہے کہ میں سیکڑوں مرتبہ گھوڑے پر سوار ہوا مقصود وہ گھوڑا ہے جو چلتا پھرتا ہوا جانور حیوان صاہل ہے، بات دونوں ٹھیک کہتے ہیں لیکن ایک جگہ گھوڑے کے معنی ایک اور دوسرے میں گھوڑے کے معنی دوسرے ہیں، اگر معنی کھل جائیں تو دونوں باتوں میں کوئی اختلاف نہ رہے لیکن معنی کے اختلاف کو نہ سمجھتے ہوئے الجھن پیدا ہوتی ہے یا یوں سمجھیے کہ گھوڑے کی دو قسمیں ہیں ایک اسی پر سی اور ایک اسپ حقیقی۔ ان دونوں کے احکام میں خلط کا نتیجہ خلط مبحث کی صورت میں ظاہر ہوا۔

بالکل یوں ہی سمجھنا چاہیے کہ انسان جو نماز پڑھتا ہے اور روزہ رکھتا ہے تو یہ ایسی بات ہے جس کو خدا چاہتا ہے ٹھیک ہے اور یہ بھی کہ جو خدا چاہے اس کے خلاف ہو نہیں سکتا یہ بھی ٹھیک ہے لیکن چاہنے کے معنی دونوں جگہ مختلف ہیں بات یہ ہے کہ ارادہ کی دو قسمیں ہیں۔ ارادہ تکوینیہ اور ارادہ تشرعیہ۔ وہ کہ جس کے خلاف ممکن نہیں ارادہ تکوینیہ ہے اور وہ کہ جو افعال عبادت سے متعلق ہوتا ہے ارادہ تشرعیہ، اور اس کی وجہ فعل کا صدور لازمی نہیں ہوتا۔ عام فہم الفاظ میں عرض کیا جاتا ہے کہ چاہنا و مقصد کا ہوتا ہے کبھی چاہنا ہوتا ہے اس کام کا جو خود



خداوند عالم کے کرنے کا ہے۔ اور کبھی چاہتا ہوتا ہے ایسے کام کا جو دوسرے کے ہاتھ سے اس کے ارادہ و اختیار سے ہونا منظور ہے۔

اگر چاہئے کا تعلق ایسے کام سے ہے جو خود اس کے کرنے کا ہے تو وہ کام ہونا ضروری ہے اس لیے کہ کام خود اسی کا ہے جس کو وہ چاہتا ہے اور اس کی قوت قاہرہ کے مقابلہ میں کوئی مانع بھی نہیں ہو سکتا لیکن اگر وہ چاہتا ہے دوسرے کے کام کو اس کے ارادہ و اختیار سے تو اس چاہنے کا لازمی نتیجہ صرف اتنا ہے کہ وہ صرف حکم دے اور پوری تاکید سے اس کو اس فعل کی بجا آوری پر آمادہ کرے اگر وہ کرے تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ فعل زبردستی اس سے صادر کر لیا جائے اس لیے کہ جب اس سے فعل صادر کر لیا گیا تو حقیقت جس مشیت کا تعلق تھا وہ حاصل نہ ہوا یعنی جو چاہتا تھا وہ نہ ہوا۔ کیونکہ چاہا تو یہ تھا کہ فعل اس سے دوسرے شخص سے ارادہ و اختیار کے ساتھ ہو اور ہو ایسے کہ فعل خداوند عالم کے جبر و قہر سے اس سے بے اختیار صادر ہو۔ یہ ہے مختلف مراد کا ارادہ اور واقعہ کی مخالفت اس کی مشیت جو کسی طرح صحیح نہیں ہے لہذا جو دلیل عقیدہ جبر کے اثبات میں پیش کی گئی تھی یعنی یہ کہ مختلف مراد کا ارادہ ہی محال ہے لہذا اس فعل کا ہونا ضروری ہو ہی عقیدہ جبر کا ابطال کرتی ہے اس لیے کہ ارادہ کا تعلق یوں ہی ہوتا ہے کہ فعل انسان کے ارادہ و اختیار سے صادر ہو لہذا اگر ارادہ و اختیار سے صادر نہ ہو تو مختلف مراد کا ارادہ سے لازم آئے گا جو ناممکن ہے۔

یہ تھا عقیدہ جبر کے ابطال کا جو بھلائی کافی توضیح سے عرض کیا گیا اب سب معلوم



ہوتا، کہ کچھ خرابیاں عقیدہ جبر کی عرض کر دی جائیں۔ جبر کے عقیدہ کی پہلی خرابی یہ ہے کہ  
جزا و سزا باطل ہو جاتی ہے اور رذیقاہت کا وجود بیکار۔ اس لیے کہ کسی اچھے کام کی جزا  
اور بُرے کام کی سزا کا اتھاق عقل کے نزدیک اُسی وقت پیدا ہوتا ہے جب فعل کر نیوالے  
سے باختیار صادر ہو۔ اگر کوئی باپ اپنے بچے کے ہاتھ میں قلم دیکر خود اس کا ہاتھ مضبوط کرے ایک  
نقش کاغذ پر بنا دے اور پھر اس کا ہاتھ بکڑ کر ایک قیمتی کتاب کو بھاڑ ڈالے تو یہ امر کی طرح  
جائز نہ ہوگا کہ وہ پھر بچے کو اس نقش کے بنانے کا انعام اور اس کتاب کے بھاڑ ڈالنے کی سزا  
دے اگر وہ ایسا کرے تو یقیناً احمق بیوقوف اور ظالم ہے انصاف سمجھا جائیگا اس لیے کہ اس  
اچھے بُرے کام کی ذمہ داری اُس بچے کی طرف عائد نہیں بلکہ خود اُس باپ کے ذمہ ہے۔

بس اسی صورت پر اگر خدا بندوں سے بھر اچھے بُرے افعال سب کرتا ہے تو اچھے افعال پر جزا  
اور بُرے افعال پر سزا دینے کا کوئی حق نہیں ہے کیونکہ دونوں قسم کے کام اُس نے خود کر لئے ہیں جس  
میں انسان قدرت و اختیار کو کوئی دخل نہیں ہے۔ اب کہیے اُن لوگوں سے کہ نکال میں قرآن  
سے اُن آیات کو جن میں وعدہ و وعید اور شریعت و شرع و ثواب و عقاب کے تذکرے ہیں اور بھاڑ ڈالیں  
اُن احادیث کتب کو جن میں واقعات و خبریں ہیں، اُس کے بعد وہ جبر کے قول کو زبان نکالنے کا حق رکھینگے  
دوسری بات یہ ہے کہ انبیاء و رسل کا بھیجا اور امر و نواہی کا نافر کرنا، شریعتوں کا  
جاری کرنا، کتب کا نازل کرنا، سب بیکار قرار پائے گا اس لیے کہ جب اچھے بُرے کام  
سب خدا خود ہی کرتا ہے تو انبیاء و رسل کی زبانی احکام و شریعت کے تحت میں آسمانی  
کتب کے اندر یہ امر و نواہی نافذ کرنے کی کیا ضرورت تھی کہ ایسا کرو ایسا نہ کرو



اس لیے کہ کرنے نہ کرنے کا تعلق تو خود اُسی سے ہے جس کام کو چاہتا انسان  
 سے بیکر کر دیتا جس کو نہ چاہتا ترک کر دیتا پھر ان سب انبیاء و رسل کی تبلیغ  
 اور عظیم الشان عالم تشریع کی بنیاد لغو مہل بے فائدہ اور لاحاصل نہیں تو  
 کیا ہے۔ تبلیغ احکام اور ہدایت خلق میں یہ تمام اہتمامات خود اس کی دلیل  
 ہیں کہ اچھے بُرے کاموں کا کرنا خود بندوں سے تعلق رکھتا ہے اور خداوند عالم  
 کا کام صرف ہدایت کرنا ہے انا ہدینا السبیل اما شاکر و اما کفور و وہ  
 تعلیم بھیجتا ہے اور راہنمائی کرتا ہے لیکن انسان اپنے قدرت و اختیار سے کبھی  
 اُس کے تعلیمات پر عمل کرتا اور کبھی ان کی مخالفت کرتا ہے جس پر اُس کو جزا یا سزا  
 کا استحقاق پیدا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اگر وجدان پر نظر کی جائے تو وہ بھی عقیدہ  
 جبر کے خلاف ہے کیونکہ انسان بد اہستہ اپنے روزمرہ کے ہونے والے حرکات میں دو  
 قسم کے افعال پاتا ہے ایک وہ کہ جو بلا اختیار صادر ہوتے ہیں جیسے مرتعش کے  
 ہاتھ کی حرکت اور بعض وہ ہیں جو با اختیار صادر ہوتے ہیں جیسے کاتب کی  
 گردشِ قلم، یہ ایسی بدیہی بات ہے جس کو معمولی سے معمولی ناقص العقل افراد  
 حتیٰ کہ بچے تک سمجھتے ہیں، تین چار برس کے سن کا کمسن بچہ جو بات چیت  
 کر لیتا ہے اور پیروں چلتا ہے ایک دفعہ اُس کا قدم پھسلتا ہے اور گر پڑتا  
 ہے۔ دوسرے موقع پر وہ ثمرات سے ایک بلند مقام سے جست کرتا ہے  
 اور زمین پر گرتا ہے کہ جس سے چوٹ لگتی ہے۔ پہلے مقام پر باپ خفا ہو تو



وہ یہی کہتا ہے کہ کیا کروں میرا پاؤں پھسل گیا، میں جان کے تھوڑی گرا۔ دوسرے موقع چوب  
خفا ہو تو سہم کر وہ کہے گا کہ قصور ہوا اب ایسا نہ کرو گا۔ پہلے موقع پر کیوں نہیں کہتا  
کہ قصور ہوا اب ایسا نہ کرو گا اس لیے کہ جانتا ہے وہ میرے بس کی بات نہیں کہنے کو کہہ دے  
کہ نہیں کرو گا لیکن اگر اس کے بعد بھی پھر پھسل جائے تو کیا کرو گا اور دوسرے موقع پر وہ جانتا  
ہے کہ شرارت میری تھی اور میرا ارادہ و اختیار سے تھی اس لیے آئندہ کے متعلق ایسا نہ کرنے  
کا وعدہ کرتا ہے۔

یہ دلیل وجدانی ایسی ہے جس کے مقابل بڑی سے بڑی دلیل برہانی کوئی قوت نہیں رکھتی جب  
دلیل عقلی بدانت وجدان سے تصادم کرے تو ماننا پڑے گا کہ دلیل مغالطہ کی نوعیت رکھتی ہے  
جس میں حقیقت کا جوہر نہیں ہے۔

عقیدہ جبر کی ان ہی خرابیوں پر نظر کرتے ہوئے مفوضہ ایسے متوحش ہے کہ انھوں نے  
ایک مرتبہ تفویض کے نقطہ پر جا کر دم لیا اور وہ قائل ہو گئے کہ انسان بالکل مطلق العنان ہے  
اور اسے ہونیوالے افعال میں خدا کو کوئی دخل ہی نہیں ہے۔ خدا کا جو کچھ کام ہے وہ ایسے  
امور متعلق ہے جو انسان کے افعال سے نہیں جیسے جلانا، موت دینا، پانی برسانا، آنکھیں  
لانا وغیرہ لیکن انسان کے افعال میں اس کا کوئی دسترس نہیں، لیکن غور کرنے پر یہ خیال بھی  
نقطہ حقیقت سے دور معلوم ہوتا ہے جبر و تفویض دونوں ہی افراط و تفریط کے دو نقطے ہیں  
اور وقعت ان دونوں کے وسط میں ہے واقعہ یہ ہے کہ ہر چیز جو ہوا کرتی ہے اس کے لیے تین  
چیزوں کی ضرورت ہے مقتضی شرط اور عدم مانع، جب وہ تینوں مجتمع ہو جائیں تو وہ امر ہوتا ہے



اور اگر ان میں سے کوئی ایک مفقود ہو تو وہ امر نہیں ہوتا۔  
 مقتضی وہ ہے جو درحقیقت کسی فعل کا اصلی سبب اور باعث ہوتا ہے جس  
 کی طرف وہ فعل منسوب ہوتا ہے جیسے آگ اس کا کام ہے جلانا شرط وہ ہے جس پر  
 مقتضی کا اپنے اثر میں کامیاب ہونا موقوف ہے، مانع وہ قوت ہے جو مقتضی کو کامیاب  
 ہونے سے روک دے۔ انسان کے افعال اختیار میں مقتضی تو خود اس کا ارادہ و اختیار  
 ہے اور اسی لیے جو کام صادم ہوتا ہے وہ خود اس کی طرف منسوب ہے لیکن شرائط و موانع  
 کے سلسلوں کو خدا نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے یعنی انسان جب کسی فعل کا ارادہ  
 کرتا ہے تو کامیابی اس کو اپنے ارادہ میں جب ہی ہو سکتی ہے کہ جب خدا کی قوت  
 قاہرہ ہی تقادم نہ ہو اس لیے اکثر مضبوط سے مضبوط ارادہ موانع کے پیدا ہو جانے کے  
 سبب ٹوٹ جاتے ہیں، یہی وہ چیز ہے جس سے ارباب معرفت خدا کی معرفت حاصل کی ہے  
 پوچھا گیا کہ اپنے اپنے رب کو کیونکر پہچانا۔ امام نے فرمایا عن ربی بفسخ العزم  
 ونقص الهمم اذا عزمتم ففسخ عزمی واذا اهممت فنقص همی  
 ”میں نے اپنے خدا کو پہچانا مضبوط ارادوں کے ٹوٹ جانے اور ہمتوں کے پست  
 ہو جانے سے۔ جب میں کوئی ارادہ کرتا ہوں تو وہ میرے ارادہ کو توڑ دیتا ہے اور  
 ہمت کرتا ہوں، وہ میری ہمت کو پست کر دیتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ میری قدرت  
 قوت سے مانوق قوت قاہرہ ہے جس کے مقابل آ کر میری قوتیں عاجز اور  
 درماندہ ہو کر ناکام رہ جاتی ہیں۔



اسی بنا پر ہرگز سیدہ کام کے متعلق انشاء اللہ کہنے کی ہدایت ہوئی ہے  
 اس کے معنی یہ ہیں کہ میں تو اس کام کا ارادہ رکھتا ہوں اور پوری کوشش اس  
 کے بجالانے کی کروں گا بشرطیکہ خدا اپنی جانب سے کوئی مانع پیدا نہ کر دے۔ اس معلوم  
 ہوتا ہے کہ انشاء اللہ کا صرف اکثر غلط محل پر ہوتا ہے درحقیقت انشاء اللہ کہنے کا  
 موقع یہ ہے کہ انسان پورے طور سے اس فعل کے کرنے پر عازم ہو اور ارادہ رکھتا  
 ہو اس وقت وعدہ کرنا چاہیے تو بے شک اس فعل کے وجود کو خدا کی مشیت پر  
 محمول کرنا درست ہے لیکن اگر انسان خود ہی اس فعل کے کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تو اس  
 فعل کے وجود کو خدا کی مشیت پر محمول کرنا اور اپنی ذمہ داری خدا پر عائد کرنا بالکل  
 بے موقع ہے۔

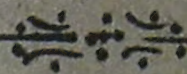
یقیناً انسان کا اپنے کسی مقصد میں کامیاب ہونا اسی وقت ممکن ہے جب  
 خدا کی قوت و طاقت سے تقاضا نہ ہو اور توفیق کہ جس کا انسان کو خدا سے  
 ہر امر خیر میں طالب رہنا چاہیے اس کے معنی یہی ہیں کہ انسان جس امر خیر کا  
 ارادہ رکھتا ہو خداوند عالم کی جانب سے اس میں مولع پیدا نہ ہوں اور اسباب  
 مہیا ہو جائیں۔

مثلاً کتنے اشخاص ایسے ہیں کہ جن کو عتبات عالیات کی زیارت کا انتہائی  
 شوق ہے اور وہ اس کے لیے بیچین اور مضطرب ہیں لیکن ایسے سبب نہیں مہیا  
 ہوتے کہ وہ اپنے مقصد کو حاصل کریں بلکہ بہت سے بااقتدار افراد کی نظیریں پائی



جاتی ہیں جنہوں نے تمام سامان سفر درست کر لیا اور ظاہری طور پر سب سہیا ہو گئے، لیکن کچھ ایسے موانع پیدا ہوئے کہ وہ اس شرف سے مشرف نہ ہو سکتے۔ اس کے برخلاف بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ جنہیں کسی قریبی زمانہ میں خاص طور پر زیارت کا اشتیاق بلکہ خیال بھی نہیں، نہ اسباب سفر مہیا ہیں لیکن دفعۃً ایک قریب ترین عزیز یا دوست جو ان کے ہم سفر ہونے کا متمنی ہے ان سے خواہش کرتا ہے کہ تم میرے ساتھ چلو میں تمہارے مصارف کا بھی متکفل ہوں۔ یہ عذر کرتا ہے کہ میں متعلقین کے لیے کیا ہوگا، وہ کہتا ہے کہ میں ان کے مصارف کا بھی قریبی ہوں۔ یہ ہے توفیق الہی جو انسان کے شامل حال ہوتی ہے اور جس کی انسان کو اعمال و عبادات کی بجائے آدمی میں ہر وقت ضرورت ہے۔

(تمام شد)



HAJI QUTUBUDDIN HAJI ISMAIL  
READING LIBRARY.  
393, ... BUILDING  
OPP: M. M. TOWER,  
KARACHI-2, (PAKISTAN)



ترتیب	نام رسالہ	میت	نورچک	نمبر	نام رسالہ	میت	نورچک	نمبر
۴۷	ذوالجناح	۱۰	شر	۶۴	خلافت و امامت حصہ ہشتم	۸	شر	۱۰
۴۸	شہدائے کربلا حصہ اول	۱۲	شر	۶۵	دی لاسٹ مسیج آف حسین	۲	شر	۱۲
۴۹	کربلا کا مہاسمرا ہندی	۱۳	شر	۶۶	ہمارے رسوم و قیود	۲	شر	۱۳
۵۰	حسین اندی پلین آف کربلا انگریزی	۱۴	شر	۶۷	شیعوں کی تازہ زندگی	۱	شر	۱۴
۵۱	مشہد اعظم	۱۵	شر	۶۸	صحیفہ اعمال مترجم	۱	شر	۱۵
۵۲	لائقہ و فی الارض	۱۶	شر	۶۹	مذہب شیعہ اور تبلیغ	۱	شر	۱۶
۵۳	نبج البلاغہ کا استناد	۱۷	شر	۷۰	اسیری اہل حرم	۱	شر	۱۷
۵۴	خلافت و امامت حصہ چہارم	۱۸	شر	۷۱	دی مشن آف حسین انگریزی	۱	شر	۱۸
۵۵	شہدائے کربلا حصہ دوم	۱۹	شر	۷۲	نظام زندگی حصہ اول	۲	شر	۱۹
۵۶	ابوالائمہ کے تعلیمات	۲۰	شر	۷۳	نظام زندگی (دوم)	۵	شر	۲۰
۵۷	حسین کا پیغام عالم انسانیت کے نام	۲۱	شر	۷۴	حقیقت اسلام	۱	شر	۲۱
۵۸	اسلامی عقائد	۲۲	شر	۷۵	منظوم کربلا	۲	شر	۲۲
۵۹	آثار باقیہ	۲۳	شر	۷۶	دی مارٹر آف کربلا انگریزی	۱	شر	۲۳
۶۰	صحیفہ سجادہ کی عظمت	۲۴	شر	۷۷	تہ نسخہ بر مختصر بحث	۳	شر	۲۴
۶۱	خلافت و امامت حصہ پنجم	۲۵	شر	۷۸	نظام زندگی حصہ سوم	۴	شر	۲۵
۶۲	خدا کی معرفت	۲۶	شر	۷۹	حیات قومی	۱	شر	۲۶
۶۳	شہدائے کربلا حصہ سوم	۲۷	شر	۸۰	جبر و اختیار	۱	شر	۲۷

## حصہ اول

لکھنؤ میں ملنے والی ہر علمی، ادبی، اخلاقی، دینی کتاب  
میشن کے ذریعہ سے طلب فرمائیں :-